ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

دعا- بندۂ مومن کی قوت

دعا بندۂ مومن کی قوت ہے، اس کا سہارا ہے، دعا ہی اس کی تلوار ہے جس سے وہ حملہ آور ہوتا ہے، اور دعا اس کی ڈھال ہے جس سے وہ دشمنوں کا وار روکتا ہے، دعا توفیق الٰہی کا مظہر ہے، اور وہ بادل کی گھٹائیں ہیں جو رحمت الٰہی کی آمد کا پتہ دیتی ہیں، توفیق دعا بجائے خود ایک عظیم بخشش ہے، استغفار و درود دونوں دعاؤں کے زیور ہیں، استغفار خود ہزار دعاؤں کی ایک دعا ہے، اپنے عجز کا اعتراف، معصیتوں کا استحضار، اللہ کی بخشش کا یقین، دعاؤں کے لیے زندگی کا خون ہے، اور درود یعنی محسن اعظم ﷺ پر صلاۃ و سلام احسان شناسی کا آئینہ ہے، دل کو جس ذات گرامی ﷺ نے ولی بنایا، مالک حقیقی کے اسماء و صفات سے آگاہ کیا، مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کا ڈھنگ سکھایا، ان احسانات کا اعتراف اور قدر دانی کا نام درود ہے جو اللہ کو بہت محبوب ہے، اور یہ بھی بجائے خود بڑی پسندیدہ ہے، ایسی دعا جو قطعاً رد نہیں ہوتی، اس کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ وہ اول و آخر کی دعاؤں (درود) کو قبول فرمالے، اور درمیان کی دعاؤں کو نظر انداز کر دے، ایسا سوچنا بھی جرم معصیت ہے، اور دعاؤں کی برکات سے محرومی کا سبب ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

MARCH 2015

دعائیں مانگنے کی فضیلت اور اہمیت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

''کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو ہر قسم کی صلاح وفلاح کی ضرورت نہ ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بے شمار اسباب پیدا فرمائے ہیں جن کے ذریعہ اہل حاجت ان سے مدد لیں اور نقصانات اور مکروہات سے بھی نجات پائیں، ان اسباب میں بعض کا تعلق دنیاوی فلاح و بہبود سے ہے اور کچھ کا تعلق آخرت کی فلاح و بہبود سے ہے، مگر صرف دعا ایک ایسی چیز ہے جو فلاح دارین اور دنیا دونوں کو شامل ہے، اسی لیے قرآن شریف اور احادیث مبارکہ میں نہایت درجہ اس کی ترغیب وفضیلت وتاکید جا بجا وارد ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے بڑی عبادت تو دعا ہے، اور فرمایا جس کو دعا کی توفیق ہوگئی اس کے لیے قبولیت کے دروازے کھل گئے اور ایک روایت میں جنت کے دروازہ کھل گئے اور ایک روایت میں رحمت کے دروازے کھل گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی گئی جو عافیت کے مانگنے سے زیادہ محبوب ہو، اسی سے معلوم ہوا کہ دنیاوی ضرورتوں کو مانگنے کا بھی حکم ہے اور فرمایا احتیاط اور تدابیر سے تقدیر نہیں ٹلتی، اور دعا نازل شدہ بلا (مصیبت) کو بھی نافع ہے اور اس بلا کو بھی نافع ہے جو ابھی تک نازل نہیں ہوئی اور کبھی ادھر سے بلا چلتی ہے اور ادھر سے دعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے اور دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے اسی سے معلوم ہوا کہ دعا تمام تر تدابیر اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعا کرتا رہے کہ اس کی برکت سے مصیبت نہ آئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبولیت کی یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے، دعا کر کے خواہ قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو بدگمان نہ ہونا چاہیے، اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر و منزلت کی نہیں، اور ارشاد فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمایا کرے اس کو چاہیے کہ خوش عیشی کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے اس سے معلوم ہوا بلا مصیبت کے دعا مانگنے کا اثر مصیبت کے وقت دعا مانگنے میں ہوتا ہے، اور فرمایا دعا میں ہمت نہ ہارو کیونکہ دعا کرتے ہوئے کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا اور ارشاد فرمایا دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے، آسمان اور زمین کا نور ہے، حضور ﷺ ایک بلا زدہ قوم پر گزرے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے، اور فرمایا کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جو دعا میں اڑ جائے، اور پھر اس کو عطا نہ ہو، خواہ سر دست اس کو دے دیں یا آئندہ کے لیے جمع کر دیں، اس سے معلوم ہوا دعا ضرور قبول ہوتی ہے، مگر صورتیں اس کی مختلف ہوتی ہیں، کبھی وہی چیز مل جاتی ہے، اور کبھی اس کے لیے اس کا اجر وثواب جمع ہو جاتا ہے اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کبھی اس کی برکت سے بلا ٹل جاتی ہے، غرض اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہاتھ پھیلانے سے کچھ نہ کچھ مل ہی رہتا ہے، لیکن باوجود اس کے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو عوام تو کیا خواص کو بھی اس سے محض بے رغبتی اور بے توجہی ہے، حتیٰ کہ جو معمولی اوقات دعا کی قبولیت کے لیے ہیں جیسے فرض نمازوں کے بعد ان میں بھی دعائیں سرسری طور پر عادتاً مانگی جاتی ہیں دھیان اور توجہ کی نہیں ہوتی، یہ سمجھ کر دعا کرنے کا تو ذکر ہی کیا کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کر دینا اور بار بار درخواست گذارتے رہنا کامیابی کا ایک مؤثر اور اعلیٰ درجہ کا طریقہ ہے، جس طرح اپنی بعض حاجتوں کے لیے دنیا کے حکام سے بار بار التجا کرنا اپنا مطلب برآری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور ہر بار سے امنگ اور امید پیدا ہوتی ہے کہ اس مرتبہ درخواست ضرور منظور ہوگی۔

اگر کوئی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کچھ کام نہیں چلتا تو بمجبوری کسی ایک آدھ کو شاذ و نادر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے وہ بھی دعا کی طرف بہت کم بلکہ بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی وظیفہ اور عمل ایسا کوئی بتا دے کہ کام ہو جائے لیکن ان اعمال و وظائف میں وہ برکت کہاں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بتلائی دعاؤں میں ہے۔''

(ماخوذ از مناجات مقبول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد: ۷ — مارچ ۲۰۱۵ء — شمارہ: ۳

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

جب بندہ دعا کرتا ہے

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں ہر پکارنے والے کی پکار میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو ان کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ سعادت سے ہمکنار ہوں)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

فہرس

دعا مؤمن کا ہتھیار ۳
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
اداریہ ۴
بلال عبدالحی حسنی ندوی
مسلمان اپنی حیثیت کو پہچانیں ۵
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
دعا کی اہمیت ۶
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ
اسلامی عقائد قرآن وحدیث کی روشنی میں ۷
بلال عبدالحی حسنی ندوی
قرآن کریم اور معاشرتی امن ۹
عبدالسبحان ناخدا ندوی
اوقات نماز ۱۱
مفتی راشد حسین ندوی
دعا کی اہمیت ۱۳
عبدالرحمٰن صدیقی ندوی
قبر پرستی پر وعید ۱۴
محمد ارمغان بدایونی ندوی
اسلام اور جذبہ رحم دلی ۱۵
خلیل احمد حسنی ندوی
گوانتانا موبے ۱۷
محمد مکی حسنی ندوی
فلسطین کے مظلوم مسلمان ۱۸
محمد نفیس خان ندوی
رب کعبہ کی قسم! ۲۰
ابوالعباس خاں

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

خدا کا نام لے کے جی خدا کا نام لے کے مر

خدا کے بندے لے خبر تو کیوں ہے اتنا بے نظر
خدا کا نام لے کے جی خدا کا نام لے کے مر
کٹھن ہیں منزل وسفر، ہیں پیچدار و پر خطر
قدم رکھ احتیاط سے، ہے خار دار رہ گذر
جہان یہ ہے بے ثبات ابھی حیات ابھی ممات
ابھی خوشی ابھی ہے غم ابھی ہے دن ابھی ہے رات
یہاں کی راحتیں ہیں کم یہاں کا عارضی ہے غم
ہم اور تم سبھی چلیں گے یاں سے کوئی دم
یہاں کی روشنی ہے کیا بجھے گا ایک دن دیا
یہاں کا عیش تا بکے ہے آخر اس کو بھی فنا
ہے آخرت ہی دائمی وہی سبھوں کا ہے دیار
وہی ہے اصل میں وطن اسی کا کر تو اعتبار
وہ نہریں دودھ کی رواں سرور ونور کا سماں
ہے جنتی کے واسطے قصور و حور کا جہاں
عذاب اور سختیاں وہ تیز آگ اور دھواں
جہنمی کے واسطے ہیں الحفیظ والاماں
سن اب تو ساکن جہاں سن اب تو طالب جہاں
اگر تجھے ہے آرزو ملے جو رحم بے کراں
گزار نیک زندگی خدا کی کر تو بندگی
وہ راہ اختیار کر نہ جس میں کچھ ہو گندگی

دعا-مؤمن کا ہتھیار

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مانگنا اس ذات بے ہمتا کو بہت پسند ہے، لہٰذا حبیب داور حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: دعا دلجمعی اور امید سے کیا کرو، گھبرا اور اکتا کر نہیں، اور نہ مانگنے والا اس کی رحمتوں سے دور اور مہجور ہو جاتا ہے، اس کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (الغافر: ٦٠) بے شک جو لوگ میری بندگی سے سرتابی کر رہے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پڑیں گے)

اللہ کی نظر میں دعا سے بڑھ کر پسندیدہ کوئی چیز نہیں، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "لیس شئ أکرم علی الله من الدعاء" (ترمذی) (اللہ تبارک وتعالیٰ کو دعا سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں)

ایک جگہ ارشاد ہے "الدعاء مخ العبادة" (دعا عبادت کا مغز ہے) کبھی آپ ﷺ نے دعا کی طاقت و قوت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: "الدعاء سلاح المؤمن" (مومن کے لیے دعا ہتھیار ہے) لہٰذا جو شخص اس ہتھیار سے لیس نہ ہو، وہ کارزار حیات میں ناکام و نامراد اور غضب الٰہی کو بھڑکانے والا ہوتا ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "من ل یسأل الله یغضب علیه" (جو اللہ سے مانگتا نہیں اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں)

لہٰذا انسان کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مالک و خالق کو یاد کرے، اسی سے لو لگائے، اسی کا سہارا ڈھونڈھے، وہ اس سے بہت قریب ہے، اس کا ارشاد ہے ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (ق: ١٦) (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اس مالک نے یہ بھی فرمایا ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرة: ١٨٦) (اور جب میرے بندے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں قریب ہوتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے تو چاہیے کہ وہ میری بات مانیں، مجھ پر ایمان لائیں تاکہ راہ یاب ہوں)

حضور اکرم ﷺ کی پوری زندگی دعاؤں کا آئینہ ہے، آپ کی عبدیت کاملہ کی جھلکیاں ان دعاؤں کے آئینہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں، زندگی کا کون سا مرحلہ اور اس کی کون سی ایسی حالت ہوگی جس میں حضور اکرم ﷺ کی دعائیں ہمارے لیے مؤثر، یقین آفریں، بصیرت افروز اور نتیجہ خیز نیز تسلی بخش اور تشفی کا ذریعہ نہ ہوں، خلوت میں، جلوت میں، سفر میں، حضر میں، سونے اور بیدار ہونے میں، خوشی اور مسرت کی گھڑی میں، اور رنج و الم کے کرب انگیز لمحوں میں، باہمی تعلقات کے گھنیرے سائے میں اور معاشرت کی پر پیچ راہوں میں آپ کی دعاؤں کی قندیلیں فروزاں ہیں، جو ہمارے لیے زندگی کی بہترین سوغات ہیں، کیسا خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس روشنی سے اکتساب فیض کرے، اور مصائب و حوادث اور مشکلات کی آماجگاہ میں اس مالک کا سہارا ڈھونڈھے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو۔

مدیر کے قلم سے

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن......

بلال عبد الحی حسنی ندوی

دنیا کے حالات نہ کبھی یکساں رہے ہیں اور نہ کبھی رہیں گے، قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں ہمیشہ دہرائی جاتی رہیں گی، یہ فیصلہ ازلی ہے ﴿وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۴۰) (اور یہ (آتے جاتے) دن ہم لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں) لیکن ان ہی تغیر پذیر حالات میں اور زندگی کی الٹ پھیر میں حق کے دیئے جگمگاتے رہیں گے، کبھی ان کی روشنی مدھم معلوم ہوگی، اور کبھی سورج کی کرنوں کی طرح وہ دنیا کی تاریکیوں کو چھانٹتے رہیں گے، اور گاہے گاہے دنیا ان سے روشن ہوتی رہے گی، مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو تیز وتند آندھیوں میں بھی وہ دیے گل نہیں ہونے دیتے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے　　وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

حالات سے متاثر ہونا ایک طبعی بات ہے، لیکن اس کے آگے سپر ڈال دینا اور مایوسی طاری کر لینا زندہ لوگوں کا شیوہ نہیں اور مسلمانوں کو تو اس لیے پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ سخت سے سخت حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایسے علمائے راسخین اور دردمند دعاۃ پیدا کیے جنھوں نے حالات کا رخ بدل دیا، جو چیز وہم وگمان میں نہ آتی ہو وہ ان ہمت والوں اور اللہ کے خاص بندوں نے اللہ کی توفیق سے کردکھائی۔

تاتاریوں کے وحشیانہ حملہ نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی تھی اور لگتا تھا کہ اب ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، یہ جملہ اس زمانہ میں ضرب المثل ہو چکا تھا کہ "اذا قیل ان التتر قد انهزموا فلا تصدقوه" (اگر کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوگئی تو یہ بات ہرگز تسلیم نہ کرنا) مگر اللہ نے ان کے مقابلہ کے لیے کچھ افراد کھڑے کر دیے، اور ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں پوری ایک تاتاری شاخ مسلمان ہوئی اور ان ہی میں پھر ایسے فاتحین اور اولوالعزم حکمراں پیدا ہوئے جنھوں نے سلطنتوں کی بنیاد ڈالی۔

تاریخ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ تیموری شاخ کا ایک ولی عہد شکار کے ارادہ سے نکلا، اس وقت یہ مشہور تھا کہ ایرانی منحوس ہوتے ہیں، اگر کسی ایرانی پر نگاہ پڑ گئی تو شکار نہیں مل سکتا، ولی عہد نے اعلان کرادیا کہ شکار گاہ میں کوئی داخل نہ ہونے پائے، اللہ کا انتظام کہ جب وہ نکلا تو شیخ جمال الدین ایرانی کہیں تشریف لے جارہے تھے، اُن پر ولی عہد کی نگاہ پڑی، وہ حلیہ سے پہچان گیا کہ یہ ایرانی ہیں، وہ غصہ میں بپھر گیا اور ان کو بلوا کر غصہ میں کہنے لگا کہ تم بہتر ہو یا ہمارا یہ کتا بہتر ہے، انھوں نے بڑے ٹھنڈے لہجہ میں فرمایا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا یہ کیا بات ہوئی، ابھی جواب دو، اس پر انھوں نے نہ جانے کس درد سے فرمایا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں بہتر ورنہ یہ کتا بہتر، ان کا یہ جملہ ولی عہد کے دل پر تیر بن کر گرا، اور اس نے سوال کیا کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ بس ان کو موقع مل گیا اور انھوں نے اسلام کی اس انداز سے تشریح کی کہ اسلام اس کے دل میں گھر کر گیا، اس نے کہا کہ میری تاج پوشی قریب ہے، اس وقت آپ تشریف لائیں، میں اس وقت اسلام کا اعلان کروں گا، تو اس کا اثر پڑے گا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ شیخ کو اس کا موقع نہیں مل سکا، انتقال کے وقت انھوں نے اپنے صاحبزادہ کو اس کی وصیت کی اور انھوں نے تاج پوشی کے بعد دربار میں حاضر ہو کر واقعہ یاد دلایا، اور اس وقت وہ پوری تاتاری شاخ حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

اس طرح کے واقعات سے مسلمانوں کو سبق لینے کی ضرورت ہے، حالات دنیا کے ہوں یا اس ملک کے کیسے سخت اور صبر آزما ہوں، اگر ہم اپنی حقیقت پر قائم رہے، اپنی ضروریات کو محسوس کر کے ان کی فکر میں لگے رہے اور زندگی کو ہم نے صحیح رخ پر قائم رکھا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ حق کا یہ چراغ نہ صرف جگمگاتا رہے گا، بلکہ ساری دنیا میں اس کی روشنی پھیلے گی ﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِراً عَلِيماً﴾ (النساء: ۱۴۷) (اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور مان لو تو اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو بڑا قدردان اور خوب جاننے والا ہے)

مسلمان اپنی حیثیت کو پہچانیں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

''اس امت کی تاریخ مختلف ادوار سے گذری ہے، ہمارے خیال میں اور کوئی امت اس طرح کے مشکل دور سے نہیں گذری ہے جس کو طرح طرح کے مشکل حالات سے سے گذرنا ہوا، عالم عربی کے ایک بڑے مفکر ہندوستان آئے تھے، انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا مسلمان بحیثیت امت کے بعض دفعہ ایسے برے حالات سے گذری ہے کہ اس میں اگر امت ختم ہوجاتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، اور واقعہ بھی یہی ہے، تاتاریوں کا واقعہ دیکھ لیں کہ بغداد میں انہوں نے کیا حال کیا تھا، وہ سب تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے، اس طرح اور بھی واقعات ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسی خصوصیات سے نوازا ہے کہ یہ بار بار ابھرتی ہے، اور اپنا مقام بناتی ہے، حقیقت کی بات یہ کہ اکثریت واقلیت کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ ہے اپنی صلاحیتوں کو صحیح صرف کرنے کا، اور معاملات کو صحیح طور پر سمجھنے کا، اور اس کا حل پیش کرنے کا، آپ اگر جائزہ لیں گے تو بہت چھوٹی چھوٹی اقلیتیں بڑی کامیاب اور قائدانہ صلاحیتوں کی گذری ہیں، اور انہوں نے بڑے بڑے کام انجام دیے ہیں، اس لیے کہ اقلیت کو جب یہ احساس ہوتا ہےکہ ہم اقلیت میں ہیں تو وہ محنت زیادہ کرتی ہے، اور زیادہ سوجھ بوجھ کا ثبوت دیتی ہے، اور حالات کا جائزہ لے کر عمل کرتی ہے، اکثریت میں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ اس کو غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے کہ ہم اکثریت میں ہیں جو چاہیں گے کریں گے، اس لیے اس کو نقصان پہنچتا ہے، اور اقلیت کو احساس ہوتا ہے، اگر ہم محنت نہیں کریں گے اور موقع محل سے تدبیر نہیں کریں گے تو ہم نقصان اٹھائیں گے، ہم مسلمانوں کو زیادہ سوجھ بوجھ اور محنت سے کام کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اعلیٰ قسم کی صلاحیتیں دی ہیں، اگر ان صلاحیتوں سے وہ کام لیں تو تمام قوموں میں وہ فائق ہوسکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ جو کام کرتا ہے اور زیادہ نمایاں کرتا ہے تو اس کو لوگ مانتے ہیں، ایسا نہیں ہے انسان انسان ہے، کتنا ہی برا ہو، لیکن اچھائی کو وہ مانے گا، کہ اچھائی اچھائی ہے، برائی برائی ہے، ایسا نہیں ہے کہ نیکی کو آدمی بدی سمجھے، اور بدی کو نیکی، یہ کوئی نہیں کرتا، بدی میں مبتلا تو ہوسکتا ہے، لیکن اس کا دل اس کو بدی ہی سمجھتا ہے، جب کسی کی اچھی خوبی سامنے آتی ہے، تو اس کو دنیا مانتی ہے، اگر اس میں صلاحیت ہے تو اس کی صلاحیت سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے، مسلمان اس ملک میں بڑا کردار ادا کرسکتے ہیں، اس لیے ان کو اپنی صلاحیت کی بنیاد پر محنت کرنا ہے، ان کو کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں، بھیک مانگنے سے کام نہیں چلتا، بھیک مانگنے والا ہمیشہ پریشان ہی رہتا ہے، اصل وہ ہے جو راہ نکالے، اپنی دشواری سے نکلنے کا بہتر طریقہ ڈھونڈے، لیکن یہ بات شور شرابہ سے نہیں ہوتی، جذبات سے نہیں ہوسکتی، اس کے لیے ہوش کی ضرورت ہے، اور اس وقت ہماری سب سے بڑی کمزوری یہی ہے، ہندوستانی مسلمان کس پوزیشن میں ہیں، اور اس پوزیشن سے ہم اپنے آپ کو کس طرح نکال سکتے ہیں، اس کے حل کو اختیار کریں، اگر ہم اس ملک میں عقل سے کام لیں، تو ہم یہاں قائدانہ کردار ادا کرسکتے ہیں، اس لیے جو خوبیاں ہم کو قرآن وحدیث سے اور ہماری تاریخ کے ذریعہ سے ملی ہیں، وہ دوسروں سے فائق ہیں، وہ تعلیمات دوسروں کے پاس نہیں ہیں، ہم ان تعلیمات کو اپناتے ہوئے محنت کریں گے تو ہم دوسروں سے آگے بڑھ جائیں گے، اور جب دوسروں سے آگے بڑھ جائیں گے تو دوسرے مجبور ہوں گے ہم کو ماننے پر، اور ہم اپنی راہ صحیح بناسکتے ہیں۔

یہ دور جمہوریت کا دور ہے، اور صلاحیتوں کے استعمال کرنے کا دور ہے، شاہی نظام ختم ہوچکا ہے، ہر شخص کو کام کرنے کا موقع ہے، وہ اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے کام کرسکتا ہے، جو وہ کرسکتا ہے وہ کرے، انشاءاللہ اس کے اچھے نتائج ملیں گے، ہمیں بہت اچھی توقع ہے......

(باقی صفحہ نمبر ۱۹ پر)

دعا کی اہمیت

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

قرآنی آیات اور سرمایہ حدیث دعا و مناجات کی اہمیت و افادیت اور ضرورت سے لبریز ہیں، اسی لیے ہمارے سلف نے دعا کا اہتمام کیا، ان کے شب و روز دعا و مناجات سے معمور اور ان کی زبانیں دعائیہ کلمات سے تر رہتی تھیں۔

آج دعاؤں کا جو سرمایہ ہمارے پاس محفوظ ہے وہ ہمارے سلف کے اہتمام اور تعلق کا نتیجہ ہے، صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی زبان مبارک سے جو دعائیں سنی تھیں، وہ اپنے بعد والوں کو بے کم و کاست حوالہ کر دیں، اس طرح یہ سرمایہ ہم تک بغیر کسی کتر بیونت کے پہنچ گیا، اور کیونکہ یہ وہ دعائیں ہیں جو اللہ کے سب سے مقبول بندے، محبوب رب العالمین ﷺ نے اپنی زبان سے ادا فرمائی ہیں، انہی الفاظ کا استعمال دوسرے الفاظ سے بدر جہا بہتر و افضل ہے، اور مقبولیت کا ضامن ہے، اور ان الفاظ کے پڑھنے کو جو ثواب اور برکت ہے وہ مزید برآں ہے۔

دعا بندگی و عبودیت کا نشان اور عاجزی و انکساری کا اظہار ہے، دعا عبادت کی روح اور اس کا لب لباب ہے، دعا مومن کا ہتھیار اور اس کی سپر و ڈھال ہے، دعا خزانہ الٰہی کی شاہ کلید اور رحمت خداوندی کا وسیلہ ہے، دعا مغفرت کا ذریعہ اور توبہ کی قبولیت کا دروازہ ہے، غرض دعا ہر مرض کی دوا اور ہر درد کا درماں ہے، اسی لیے فرمایا گیا جو اس سے مانگے اس سے راضی ہوتا ہے، اور جو نہ مانگے اس سے ناراض، اور پھر مانگے تو اس طرح مانگے کہ دینے والی ذات صرف اسی کی ہے، مایوسی کا شائبہ نہ ہو، مانگے اور مانگتا چلا جائے، نہ مانگنے سے تھکے، نہ اس کی شان رحیمی و کریمی پر سے اس کی نگاہ ہٹے، آج نہیں تو کل ملے گا ضرور ملے گا، لیکن حکمت و مصلحت کے تقاضے سے کچھ دیر ہو سکتی ہے جو حقیقتاً ہمارے لیے ہی باعث خیر و برکت ہوگی۔

دعا اس مادی دور میں روحانیت کا چراغ ہے، اس خدا فراموشی بلکہ خود فراموشی کے زمانہ میں یاددہانی اور تذکیر کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اسی لیے آج مختلف مجموعوں کے ذریعہ دعا کی فضا قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی برکتوں سے پوری انسانیت کو نفع پہنچے اور اس کے ذریعہ دنیا و آخرت کی خوش حالی و کامیابی نصیب ہو۔

علماء و مشائخ نے اپنے اپنے ذوق اور تجربہ کے مطابق دعاؤں کے مجموعے مرتب کئے فرمائے ابتدائی صدیوں سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، نامعلوم کتنے اللہ کے بندے ان دعاؤں کے مجموعوں سے فیضیاب اور بارگاہ الٰہی میں ان کے ذریعہ مقرب و باریاب ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات کی مختلف دعائیں تلقین فرمائی ہیں، زمان و مکان کی رعایت، حالت و تقاضے کا لحاظ، مزاج و ذوق کے تنوع کو سامنے رکھنے سے دعاؤں میں تنوع پایا جاتا ہے، سونے کی مختلف دعائیں ہیں، مختصر ابھی ہیں، لمبی بھی ہیں، خاص بھی ہیں اور عام بھی، جس کا جو ذوق ہو اور جس کے لیے جتنا آسان ہو وہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔

دعا کرنا اور اپنے اللہ سے مانگنا اللہ والوں کا بہت محبوب اور پسندیدہ عمل رہا ہے، اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں کا یہ کام بہت پسند ہے، بلکہ جو اس سے نہ مانگے اس سے وہ ناراض ہوتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ دعا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اس کو جینے کا سلیقہ آجاتا ہے، آخرت کے لیے کام کرنا آجاتا ہے، اور ترقی کی راہ حسب توفیق دعا اور کیفیات دعا بہت بڑھ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی توفیق اور فضل خاص سے ہم سب کو یہ دولت و نعمت عطا فرمائے۔

لیکن یہ چیز افراد امت میں کمزور ہوتی جارہی ہے، اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے، بلکہ غیر اللہ سے مانگنا، فریاد کرنا اور قبروں پر جا کر پڑے رہنا، ان کو حاجت روا، مشکل کشا اور کام بنانے اور بگاڑنے والا جاننا (جو کھلا ہوا شرک ہے) مسلمانوں میں بہت عام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے اور عقیدۂ توحید کو اختیار کرنے کی بھی توفیق سے نوازے، جس کا ایک مضبوط ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہے، اس طرح کہ اس سے دعا کرنا ان اوصاف و کمالات کے استحضار کے ساتھ جو اس نے خود اپنے لیے ثابت کئے ہیں، یہ چیز مقبول دعاؤں کو سمجھ کر پڑھنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

اسلامی عقائد

گزشتہ سے پیوستہ

قرآن وحدیث کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

قیامت

دنیا میں آنے والا انسان ایک دن فنا ہوجانا ہے، جو آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ دنیا بھی فنا ہوجائے گی، جو کچھ ہے سب بکھر کر رہ جائے گا، وہ قیامت کا دن ہوگا، جس دن اللہ کے حکم سے صور پھونکی جائے گی، تو کوئی متنفس باقی نہ رہے گا، پھر قیامت آجائے گی، آسمان وزمین، چاند ستارے، سورج اور یہ پورا نظام تہ و بالا ہوکر رہ جائے گا، قرآن مجید میں دسیوں جگہ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے، حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿إِذَا السَّمَاء انفَطَرَت☆وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَت☆ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَت☆وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَت☆عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَت﴾ (الانفطار:۱-۵) (جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب ستارے بکھر جائیں گے، اور جب سمندر اُبال دیئے جائیں گے، اور جب قبروں کو اُتھل پتھل کردیا جائے گا، (اس وقت) ایک ایک شخص کو معلوم ہوجائے گا کہ اس نے کیا بھیجا اور کیا چھوڑا) ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَت☆وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَت☆ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَت﴾ (التکویر:۱-۳) (جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلادیئے جائیں گے) ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ☆وَخَسَفَ الْقَمَرُ ☆وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ (القیامۃ۷-۹) (بس جب آنکھیں چُندھیا جائیں گی، اور چاند گہنا جائے گا، اور سورج اور چاند ملادیئے جائیں گے)

﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاء كَالْمُهْلِ☆وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ (المعارج۸-۹) (س دن آسمان تلچھٹ کی طرح ہوگا اور پہاڑ روئی کے رنگین گالوں کی طرح ہوں گے)

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ☆وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً☆فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ☆ وَانشَقَّتِ السَّمَاء فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ﴾ (الحاقۃ:۱۳-۱۶) (پھر جب ایک ہی دفعہ صور پھونکی جائے گی، اور زمین اور پہاڑ کو اٹھا کر ایک ہی دفعہ میں چکنا چور کردیا جائے گا، تو اس دن پیش آنے والی چیز پیش آجائے گی، اور آسمان پھٹ پڑے گا تو اس دن وہ پھسپھسا ہوگا)۔

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيباً مَّهِيلاً﴾ (المزمل: ۱۴) (جس دن زمین اور پہاڑ لرز کر رہ جائیں گے اور پہاڑ بھر بھراتی ریت کے تودے بن جائیں گے)۔

﴿فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاء فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ (الرحمن:۳۷) پھر جب آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ تلچھٹ کی طرح سرخ ہوجائے گا)۔

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُواْ لِلّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراھیم:۴۸) (جس دن زمین یہ زمین نہ رہے گی اور (نہ) آسمان (یہ آسمان ہوگا) اور ایک زبردست اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی)۔

سب کچھ فنا ہونے کے بعد دوسری مرتبہ صور پھونکی جائے گی تو سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے، اسی لیے اس کو یوم البعث کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ﴾ (الزمر:۶۸) (پھر اس میں دوبارہ صور پھونکی جائے گی بس وہ پل بھر میں کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ حشر کے بارے میں انسانی ذہن کے اعتبار سے مثال دے کر فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ☆يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُم بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ☆وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ☆كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ☆يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا

نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّى وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئاً وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ☆ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَى وَأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ☆وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ﴾(الحج:۵-۷) (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو یقیناً قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے، جس دن تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ عورت اپنے حمل کو ساقط کردے گی اور آپ کو نظر آئے گا کہ لوگ مدہوش ہیں جبکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے البتہ اللہ کا عذاب ہے ہی بڑی سخت چیز، اور لوگوں میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر جانے بوجھے جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے چل دیتے ہیں، جس کے لیے طے شدہ ہے کہ جو کوئی اس کو دوست بنائے گا تو وہ اس کو بہکادے گا اور بھڑکتی ہوئی (دوزخ کے) عذاب تک پہنچادے گا، اے لوگو! اگر تمہیں اٹھائے جانے میں شک ہے تو (غور تو کرو) ہم نے تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے ٹکڑے سے پھر بوٹی سے پیدا کیا پوری طرح بنا کر اور پوری طرح نہ بنا کر بھی تاکہ تمہارے لیے ہم بات کھول دیں اور رحموں میں ہم جس کو جتنا چاہتے ہیں ایک متعین مدت تک کے لیے ٹھہراتے ہیں پھر تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں تاکہ پھر تم بھری جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں بعض اٹھا لیے جاتے ہیں اور بعض نکمی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں کہ جانتے بوجھتے بھی کچھ سمجھتے نہیں اور زمین کو تم دیکھو گے کہ وہ خشک ہے پھر جب ہم نے اس پر بارش کی تو لہلہا گئی اور برگ و بار لائی اور ہر قسم کے خوش منظر پودے اس نے اگا دیئے، یہ (سب اسی لیے ہے) کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر زبردست قدرت رکھتا ہے، اور قیامت آکر رہے گی اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)

حضرت آدم سے لے کر قیامت تک جو بھی دنیا میں آیا ہے سب کو اس دن جمع کیا جائے گا، اس لیے اس کو قرآن مجید میں یوم الجمع بھی کہا گیا ہے، یعنی جمع ہونے کا دن، یوم الخروج بھی اس کو کہا گیا کہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے، سورہ زلزال میں ارشاد ہوتا ہے ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا☆ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا☆وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا☆يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا☆بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا☆يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتاً لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ☆فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ☆وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾(الزلزلة:۱-۸) (جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ کر رکھ دی جائے گی، اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی، اور انسان کہے گا کہ اس کو ہوا کیا ہے، اس دن وہ اپنی ساری خبریں بتادے گی، کہ آپ کے رب نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا، اس دن لوگ گروہ در گروہ لوٹیں گے تاکہ ان کو ان کے سب کام دکھا دیئے جائیں، بس جس نے ذرہ برابر بھی بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا)۔

قرآن مجید میں ایک پوری سورہ بھی سورہ قیامہ کے نام سے نازل ہوئی ہے جس میں بڑے بڑے حقائق کو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں بڑی بلاغت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ☆وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ☆أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَجْمَعَ عِظَامَهُ☆بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ☆بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ☆يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ☆فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ☆وَخَسَفَ الْقَمَرُ☆وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ☆.........﴾ (القيامة:۱-۱۵) (اب میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں، کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے، کیوں نہیں ہم اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ اس کے پور پور کو ٹھیک کردیں، بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی ڈھٹائی کرتا رہے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے، بس جب آنکھیں چندھیا جائیں گی، اور چاند گہنا جائے گا، اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا کہ اب بچاؤ کی جگہ کہاں ہے، ہرگز نہیں! اب پناہ کی کوئی جگہ نہیں، اس دن آپ کے رب کے سامنے ہی (ہر ایک کو) ٹھہرنا ہے، اس دن انسان کو جو کچھ اس نے آگے پیچھے کیا ہے سب جتلا دیا جائے گا، بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ سے خوب واقف ہے، خواہ اپنے بہانے پیش کر ڈالے)

قرآن کریم اور معاشرتی امن

عبد السبحان ناخدا ندوی

امن اور سلامتی ہر فرد بشر کا بنیادی حق ہے۔ اس لیے قرآن کریم انفرادی امن سے لے کر بین الاقوامی امن تک بنیادی ہدایات اور ضابطے رکھتا ہے، اور اپنے پڑھنے والوں سے اس کا پرزور مطالبہ ہے کہ وہ ان بنیادوں کو ہرگز فراموش نہ کریں۔ سماجی اور معاشرتی امن پر بھی قرآن کریم گہری نگاہ رکھتا ہے، اور خرابی واقع ہونے کے بعد اسے دور کرنے کے طریقوں کے ساتھ ساتھ اللہ کا کلام اس پر بھی بہت زیادہ زور دیتا ہے کہ ان اسباب کو ہی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے جو بدامنی اور فساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قرآن کریم کے نزدیک امن کی بنیاد انصاف ہے، اور انصاف کی بنیاد سماجی نابرابری کے ظالمانہ تصور کا خاتمہ ہے۔ انسان نے اپنی کم عقلی یا خواہش پرستی کی بنیاد پر اپنے آپ کو کئی خانوں میں بانٹ رکھا ہے، یہ خانے اگر اعتدال اور میانہ روی کے دائرہ میں ہوں تو یہ رنگا رنگ پھولوں کی حیثیت اختیار کرتے ہیں جن کے مجموعہ سے ایک گلدستہ تیار ہوتا ہے، اور ہر پھول اپنی ایک خاص خوشبو رکھتا ہے، یہ رنگا رنگی چمن انسانیت کو تروتازہ رکھنے کا باعث ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات یہی خانے انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتے ہیں، بس وہیں سے انسان درندگی کی سطح پر اتر آتا ہے۔ اس کے بعد بے لگام خواہشات اور بے قید آزادی انسان کو ''حیوان محض'' بنائے بغیر نہیں رہتی، جب انسان حیوان بن جائے تو پھر کہاں کی سماجی برابری اور کہاں کا انصاف! اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انسانوں کو وہ بنیاد فراہم کی جائے جہاں ہر انسان اپنے آپ کو برابر کا عزت والا محسوس کرے، اور اس کی خود اعتمادی کو کوئی چیز مجروح نہ کر سکے؛ یہ بنیاد قرآن کریم نے ''وحدت انسانیت'' کے نام سے عطا کی، اور یہ واشگاف اعلان کیا: ﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَیٰ وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاکُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳) (اے لوگو ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، اللہ کے نزدیک تمہارے اندر عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہے) یہ بات ذہن میں رہے کہ نزول قرآن اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے پوری دنیا میں "یا أیها الناس" (اے لوگوں کی صدا) موجود نہ تھی۔ أیها العرب! أیها الروم! أیها الهنود! أیها الفرس! اے عربو! اے رومیو! اے ہندوستانیو! اے ایرانیو! یہ صدائیں شب و روز گونجا کرتی تھیں، لیکن ''اے انسانو!'' یہ صدا صدیوں سے کھو چکی تھی۔ یہ قرآن کریم کا احسان اور محمد ﷺ کی رحمت تھی کہ دنیا ایک مرتبہ پھر اے انسانو کی صدا سے آشنا ہوئی اور انسانیت کو اس کا حقیقی مقام ملا۔ یہ قرآن کریم کی عطا کی ہوئی سماجی برابری تھی جس کے بغیر انصاف کی عمارت قائم نہیں کی جا سکتی، اور یہی دراصل حقوق انسانی کی بھی بنیاد ہے، جن انسانی حقوق کو دنیا کے انسان نما درندوں نے اور ان کی ظالم سلطنتوں نے اس طرح چیر پھاڑ دیا تھا کہ نہ ان کا نام باقی تھا نہ نشان۔ انصاف کی یہ بنیاد فراہم کر کے قرآن کریم نے اس کی شدید تاکید کی کہ انصاف کے معاملہ میں دوست اور دشمن، اپنا پرایا اور میرا تیرا کا فرق مٹا دیا جائے، اور حق دار تک اس کا حق ضرور پہنچایا جائے۔ قرآن کریم کا عمومی اعلان یہ ہے: ﴿وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِینَ﴾ (الحجرات: ۹) (انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے) دشمنوں کے ساتھ اس نے یہ معاملہ کرنے کی ہدایت دی ہے: ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَیٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَیٰ﴾ المائدۃ: ۸، (کسی قوم کی دشمنی تمھیں ناانصافی کی راہ پر نہ ڈالے، انصاف کرو یہ خوف خدا سے قریب تر عمل ہے)۔ خواہشات کے مارے اندھے بہرے انسانوں کو اس کا یہ پیغام ہے: ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَیٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِیرًا﴾ (النساء: ۱۳۵) (خواہشات کے پیچھے پڑ کر انصاف کا خون نہ کرو، اگر تم زبان کو توڑ مروڑ کر بات کرو گے، یعنی

گواہی دینے اور فیصلہ کرنے میں سچائی کو چھپاؤ گے یا بالکل اعراض کرو گے تو جان لو کہ اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھتا ہے)۔

امن عالم اور سماجی انصاف کی سب سے بڑی عالمی بنیاد، وحدت رب، خوف خدا، عقیدہ آخرت اور احساس جوابدہی۔

چونکہ لاکھ انصاف اور ہزار سچی خواہش کے باوجود بعض انسانوں کا شاطر ذہن ایسی ترکیبیں ڈھونڈ نکالتا ہے جس کی وجہ سے حقدار کو اس کا حق نہیں ملتا اور غلط کار بازی مار لیتا ہے۔ دنیا کے کُل انسان اس یقین پر مجبور ہیں کہ تمام معاملات اس دنیا میں نہیں نمٹائے جاسکتے اور بسا اوقات ظالم وخونخوار لٹیرے بھی دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر امن کا عالمی ایوارڈ لے اڑتے ہیں، اسی طرح زندگی بھر مظلوموں کے دفاع میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے والوں کو بھی دہشت گرد ہونے کا الزام اپنے سر لینا پڑتا ہے۔ اس کے علاج کے لیے قرآن کریم وحدتِ انسانیت کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف اور امن عالم کے تناظر میں وحدتِ انسانیت سے بھی بڑی ہے۔ گویا یہ امن عالم اور سماجی انصاف کی سب بڑی، دائمی، ابدی اور حقیقی بنیاد ہے، یہ بنیاد وحدت رب ہے۔ اس بنیاد کے ذریعہ انسان صحیح معنٰی میں امن کا پیغامبر بنتا ہے۔ یہی لوگ زمین کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں، جن سے گمشدہ قافلوں کو منزل کا نشان ملتا ہے، اور ان ہی کے ذریعہ دکھی انسانیت کے زخم کو مرہم نصیب ہوتا ہے۔

غور کیا جائے تو اس سے بڑی کوئی بنیاد نہیں کہ ”ایک ہستی ہمیں دیکھ رہی ہے، اور ہمیں اپنے ایک ایک کام کا حساب اسے دینا ہے“: ﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم﴾ (الغاشية: ۲۵.۲۶) (سب کو لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہے اور سب کا حساب صرف ہمارے ذمہ ہے) قرآن کریم کا یہ وہ اعلان مسلسل ہے جو تمام انسانوں کو ایک لڑی میں پرو کر ایک ہی ہستی کے سامنے جھکا کر سب کو یکساں طور پر ذمہ دار گردانتا ہے۔ کُلُّکم راعٍ و کُلُّکم مسؤولٌ عن رعِیَّتِہ (تم سب ذمہ دار ہو اور تم سے اپنی اپنی ذمہ داری کی بابت سوال ہوگا) یہ ارشاد نبوت ہے، جس میں اسی راز سے پردے ہٹائے گئے ہیں۔ گویا کہ دنیا کے انسانوں پر بات ختم نہیں ہوتی بلکہ آخرت کے انصاف تک پہنچتی ہے۔ اسی کو ہم چاہیں تو عقیدۂ آخرت کہہ لیں، دعوت توحید کہہ لیں یا جواب دہی کا سچا احساس کہہ لیں۔ اس تصور کے بعد پھر کس کی مجال کہ انصاف کے نام پر بے انصافی کا چور دروازہ کھول کر معاشرتی امن کو درہم برہم کردے؟ قرآن کریم معاشرتی امن اور سماجی انصاف کی ایسی ٹھوس اور وسیع بنیاد عطا کرتا ہے جو رنگ ونسل، قوم ووطن، ذات پات اور زبان و بھاشا سے ماوراء ہے، یہ وہ شجرۂ طوبیٰ ہے جس کے سایہ تلے کُل انسانیت آرام پاسکتی ہے۔

تین طرح کی قربانیاں

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

”آپ کو تین طرح کی قربانیاں دینی ہیں، ہماری ہر قربانی کے لیے ہماری تاریخ میں ایک امام موجود ہے۔

☆ ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا خالد بن ولیدؓ نے یرموک میں دی تھی کہ ان کو عین میدان جنگ میں معزول کردیا گیا، لیکن ان کی پیشانی پر شکن نہ آئی اور انہوں نے کہا کہ اگر میں عمرؓ کے لیے لڑتا تھا تو اب نہیں لڑوں گا، اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتا تھا تو میرے جوش اور سرگرمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ان کے جوش جہاد اور شوق شہادت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

☆ دوسری قربانی وہ ہے جو نواسہ رسول حضرت حسن بن علی نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں خلافت سے دست بردار ہو کر امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لیے دی تھی۔

☆ تیسری قربانی وہ ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسلامی مملکت اور معاشرہ کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لیے اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی، اب یہ تینوں قربانیاں ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔“ (کاروان زندگی (جلد دوم) صفحہ ۲۶۱)

اوقاتِ نماز

مفتی راشد حسین ندوی

اسلام میں عقیدۂ توحید کے بعد عبادات میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ دین کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، پھر کلمہ شہادت کے بعد ان پانچ چیزوں میں سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا گیا، نماز وہ عبادت ہے جس کی فرضیت تمام عبادات سے پہلے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پانچویں سال شب معراج میں ہی کردی گئی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''نبی کریم ﷺ پر شب معراج میں پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی تھی، پھر کم کرکے پانچ کردی گئیں، پھر ندا کی گئی: اے محمد! میرے یہاں کلام میں تبدیلی نہیں کی جاتی، آپ کو ان پانچ کے بدلہ پچاس (کا اجر) ملے گا۔ (نسائی، ترمذی)

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن قرط سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت میں سب سے پہلے بندہ سے نماز کا محاسبہ ہوگا، اگر نماز صحیح رہی تو بقیہ تمام اعمال بھی درست رہیں گے، اور اگر نماز میں خرابی ہوئی تو اس کے تمام اعمال میں خرابی آجائے گی''۔

مسلم شریف میں ایک روایت میں ارشاد ہے اسلام اور کفر میں حد فاصل نماز ہے۔

قرآن مجید میں نماز کی ایک خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے انسان کا ضمیر بیدار ہوجاتا ہے، جو اس کو برائیوں اور غلط کاموں سے روکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے، ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾ (عنکبوت: ۴۵) (بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے)

اگر کوئی شخص نماز کا پابند ہے اس کے باوجود اس کا دل کسی برائی کی طرف آمادہ رہتا ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ نماز پڑھنے میں اس کے آداب وشرائط میں کوئی کوتاہی ہورہی ہے، اس لیے کہ جب تک نماز کی ادائیگی اس کے آداب کے ساتھ نہ کی جائے اس وقت تک نماز کی مخصوص برکات ظاہر نہیں ہوتیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسی نماز پر دنیا وآخرت میں فلاح دارین کا وعدہ کیا جس کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، ارشاد ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (المؤمنون: ۱-۱۱) (یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع کرتے ہیں، (چند دوسری صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا) یہی لوگ ہیں جو وارث ہونے والے ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اسی میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے)

پھر شریعت نے نماز کے مخصوص اوقات مقرر کیے ہیں، انہیں اوقات میں نماز کا پڑھنا ضروری ہے، ان اوقات کا ذکر مجمل طور پر قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، لیکن احادیث میں ان مجمل آیات کی مکمل تفصیل کی گئی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: ۱۰۲) (بلاشبہ نماز ایمان والوں پر مقررہ وقتوں کے ساتھ فرض ہے) ایک دوسری جگہ کچھ وضاحت ارشاد ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ (هود: ۱۱۴) (اور دن کے دونوں سروں میں اور رات کے مختلف حصوں میں نماز قائم کیجئے) اس آیت میں پانچوں اوقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ہر نماز کے وقت کی مکمل تحدید فرمائی ہے، اسی کے پیش نظر علم ہیئت کے ماہرین نے پوری محنت اور لگن سے جنتریاں تیار کردی ہیں، جن سے آسانی کے ساتھ ہر نماز کا وقت معلوم کیا جاسکتا ہے، لیکن ہم احادیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان اصل علامات کا ذکر کرتے ہیں جن کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اور فقہاء نے مکمل طور سے ان کو صاف کردیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے، اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی کی طرح ہوجائے جب تک کہ عصر کا وقت نہ ہوجائے، اور عصر کا وقت سورج کے زرد پڑنے تک رہتا ہے، اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے، اور

عشاء کا وقت آدھی رات تک رہتا ہے، اور فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع شمس تک رہتا ہے، پھر جب سورج نکل آئے تو نماز سے رک جاؤ، اس لیے کہ وہ شیطان کی سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔
(مسلم)

اس حدیث اور دوسری بے شمار احادیث سے فقہاء نے اوقات نماز کی تحدید اس طرح کی ہے:

وقت فجر:- فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر سورج نکلنے تک رہتا ہے، صبح صادق اس روشنی کو کہتے ہیں جو آسمان کے پورے مشرقی حصہ پر نکلتی ہے، اس سے پہلے ایک روشنی طول میں نصف آسمان تک نکلتی ہے، اس کو صبح کاذب کہتے ہیں، پھر جب یہ روشنی ختم ہونے کے قریب ہوتی ہے تو پھر مشرقی افق پر منتشر ہو کر روشنی نکلتی ہے، اس کو صبح صادق کہتے ہیں۔ (شامی:۱/۲۶۳-۲۶۴)

حدیث شریف میں دونوں روشنیوں کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم کو بلال کی اذان (جو سحری یا تہجد کے لیے فجر کا وقت آنے سے پہلے دی جاتی تھی اور حرمین میں اب بھی دی جاتی ہے) اور طول میں نکلنے والی روشنی سحری کھانے سے نہ روکے، لیکن پھیلی ہوئی روشنی (یعنی صبح صادق ہو جائے تو رک جاؤ (مسلم، ترمذی)

فجر کا مستحب وقت:- فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا مستحب ہے، اسفار کا مطلب یہ ہے کہ روشنی بڑھ جائے، اجالا پھیل جائے، اس لیے کہ ترمذی میں حدیث ہے: ''فجر کو اسفار میں پڑھو، اس لیے کہ اس میں اجر زیادہ ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تاخیر اتنی نہ ہونی چاہیے کہ وقت چلا جائے اور نماز فاسد ہو جائے، اس میں بہتر یہ ہے کہ نماز کی شروعات طلوع سے اتنا پہلے کرے کہ سنت کے مطابق قرات کی جائے، پھر اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو اتنا وقت رہے کہ مسنون طریقہ سے اعادہ بھی ہو سکے، اگر ۲۵، ۳۰ منٹ پہلے نماز شروع کی جائے تو انشاء اللہ اتنا وقت رہے گا۔ (شامی:۱/۲۶۹)

یہ خیال ہے کہ اسفار کی افضلیت علت جماعت میں اضافہ ہے، لہٰذا اگر کسی وجہ سے تکثیر جماعت اول وقت میں فجر پڑھنے پر ہو جیسا کہ رمضان میں عام طور سے ایسا ہوتا ہے یا کسی مسجد کے اکثر نمازی تہجد گزار ہوں تو افضل یہی ہوگا کہ اول وقت ہی میں غلس (یعنی روشنی ہونے سے پہلے ہی فجر پڑھ لی جائے۔
(معارف السنن:۲/۳۹، درس ترمذی:۱/۴۰۶)

ظہر کا وقت:- ظہر کا وقت زوال یعنی سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، لیکن اس کا وقت کب ختم ہوتا ہے، اس کے متعلق اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور احناف میں سے صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت سایہ اصلی کے ایک مثل ہو جانے ہی پر ختم ہو جاتا ہے، خود امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اسی کے مطابق ہے، بہت سے مشائخ نے اس کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، لیکن امام صاحب سے ایک دوسری صحیح روایت یہ ہے کہ ظہر کا وقت سایہ اصلی دو مثل ہونے تک رہتا ہے، ظاہر الروایہ ہونے کی وجہ سے امام صاحب کے قول کے طور پر یہی مشہور ہے اور احناف کے یہاں عمل اسی پر ہے۔ (شامی:۱/۲۶۴)

لیکن مشہور محدث اور فقیہ مولانا تقی عثمانی صاحب؛ مثلین والے قول پر دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں: ''مثلین پر ظہر کا وقت ختم ہونے کے سلسلہ میں عموماً احناف کی طرف سے یہی تین دلیلیں پیش کی جاتی ہیں، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی حدیث بھی اوقات کی تحدید پر صریح نہیں ہے، اس کے برخلاف حدیث جبرئیل میں پہلے دن عصر کی نماز مثل اول پر پڑھنے کا ذکر موجود ہے، اس لیے یہ حدیثیں حدیث جبرئیل کا مقابلہ نہیں کرسکتیں
(درس ترمذی:۱/۳۹۶)

اسی لیے علماء نے افضل اس کو قرار دیا ہے کہ احتیاطاً ظہر کی نماز ایک مثل سے پہلے پڑھی جائے، تاکہ دونوں نمازوں کی ادائیگی علماء کے اتفاق کے ساتھ صحیح وقت پر ہو۔ (شامی:۱/۲۶۴)

ظہر کا وقت مستحب:- ظہر کی نماز گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، اور سردیوں میں اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔ (شامی:۱/۲۷۰)

اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تھی، تو اول وقت میں نماز پڑھتے تھے، اور جب سخت گرمی ہوتی تھی تو تاخیر سے پڑھتے تھے۔ (بخاری)

جمعہ کا وقت:- جمعہ کا وقت بھی وہی ہے جو ظہر کا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ اس کو گرمی سردی ہر موسم میں اول وقت ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ (شامی:۱/۲۷۰)

عصر کا وقت:- عصر کا وقت ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ایک مثل سے اور امام صاحب کے نزدیک دو مثل سے شروع ہوتا ہے، اس کی تفصیل ہم پیچھے کر چکے ہیں، اور اس کا آخری وقت غروب تک رہتا ہے۔ (شامی:۱/۲۶۵)

اور عصر کا وقت مستحب سورج میں تغیر آنے تک رہتا ہے خواہ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا موسم ہو، پھر جب سورج میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے۔

(شامی:۱/۲۷۰، ہندیہ:۱/۵۳)

مغرب کا وقت:- مغرب کا وقت سورج غروب سے شروع ہوتا ہے اور شفق کے غروب تک رہتا ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد سرخی ہے، جب کہ امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے، فتوی امام صاحب کے قول پر ہے، لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ شفق احمر سے پہلے ہی مغرب کی نماز پڑھ لی جائے۔

(شامی:۱/۲۶۵)

مغرب کی نماز میں ہر موسم میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

(ہندیہ:۱/۵۳)

عشاء کا وقت:- عشاء کا وقت ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر ڈوبنے سے ہے جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شفق ابیض ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے، اور طلوع فجر تک رہتا ہے، احتیاط اس میں ہے کہ شفق ابیض ڈوبنے کے بعد ہی نماز عشاء پڑھ لی جائے۔ (ہندیہ:۱/۵۱، شامی:۱/۲۶۵-۲۶۶)

عشاء کا وقت مستحب تہائی رات تک کی تاخیر ہے، آدھی رات تک اس کا جائز وقت ہے پھر وقت مکروہ شروع ہو جاتا ہے۔

(شامی:۱/۲۷۰)

جس شخص کو اعتماد ہو کہ تہجد کے لیے اٹھے گا اس کے لیے وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے، جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ عشاء بعد ہی پڑھ لے۔ (شامی:۱/۲۷۱)

دعا کی اہمیت

عبدالرحمن صدیقی ندوی

ایک حدیث شریف میں ہے کہ "الدعاء ھو العبادۃ" یعنی دعا سراپا عبادت ہے، اس لئے کہ اگر کوئی انسان عبادت کرے، نمازیں پڑھیں، لیکن بارگاہ ایزدی میں ہاتھ نہ اٹھائے، اپنی حاجتیں پروردگار کے سامنے نہ رکھے، اپنی عبادتوں کی قبولیت کی اس سے مناجات نہ کرے تو گویا اس نے عبادت و بندگی کا حق ادا ہی نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کرتے، آنسو بہاتے، ایک رات عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھلتی ہے، بستر پر ہاتھ پھیرتی ہیں لیکن رسول پاک ﷺ کو نہیں پاتی ہیں، پریشان ہوتی ہیں، لیکن جب ان کا ہاتھ آپ ﷺ کے پیروں سے لگتا ہے تو دیکھتی ہیں رسول پاک ﷺ سجدہ میں سر رکھ کر اپنے رب سے امت کے حق میں دعا کر رہے ہیں۔

احادیث نبوی کی روشنی میں دعا نہ صرف مؤمن کا ہتھیار ہے بلکہ ہر مصیبت اور پریشانی کے وقت اس کا سب سے بڑا سہارا ہے، جب دنیا کے سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، ساری امیدیں چھوٹ جاتی ہیں تو دعا کی طاقت ہی شامل حال ہوتی ہے، اور مؤمن بامراد ہوتا ہے۔

سیرت نبوی میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں کہ جب بھی اہل دنیا کی سنگدلی اور اغیار کے ظلم و ترشی کا سامنا ہوا تو آپ ﷺ نے دعا کا ہی سہارا لیا۔

طائف کے سفر میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اوباش نے آپ ﷺ پر پتھر بھی برسائے، جسم مبارک زخموں سے چور ہو گیا، ایڑیاں بھی خون میں تر ہو گئیں، آپ نے کسی ظاہری سہارہ کے بجائے دعا کا سہارا لیا اور اپنے پروردگار سے فرمایا کہ اے پروردگار میں اپنے حزن والم اور درد و کرب کو تیرے ہی سامنے پیش کرتا ہوں اور اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا تجھ سے ہی اظہار کرتا ہوں، اگر تو مجھ سے راضی ہے تو یہ ساری کلفتیں اور پریشانیاں بے معنی ہیں۔

قبر پرستی پر وعید

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (صحیح مسلم: ۱۲۱٤)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

فائدہ:- قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں جن گناہوں کی سب سے زیادہ مذمت وشناعت بیان کی گئی ہے، ان میں سر فہرست "شرک" ہے، شرک کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے دور ہو جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا﴾ (النساء: ١١٦) (اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا یقیناً وہ دور جا بھٹکا) یہی وجہ ہے کہ معرفت الٰہی سے بیگانہ ہونے کے بعد انسان اپنا وہ معیار کھو بیٹھتا ہے، جو اللہ رب العزت نے اس کو تمام فرشتوں کا مسجود بنا کر عطا فرمایا تھا، شرک کے بعد انسان کا جو معیار رہ جاتا ہے، قرآن کریم نے اس کو بہت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان فرمایا ﴿وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَکَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ أَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ﴾ (الحج: ۳۱) (اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا تو گویا وہ آسمان سے گرا تو پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا ہوا نے اس کو کہیں دور لے جا کر پھینک دیا)۔

مندرجہ بالا حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اپنے فرض منصبی سے غافل ہو کر، اپنی پیشانیوں کو اس جگہ ٹیک رہے تھے جہاں سے ان کو روکا گیا تھا، البتہ اس کے اندر امت مسلمہ کے لیے یہ تعلیم بھی مضمر ہے کہ وہ توحید الٰہی کا اقرار کرنے کے بعد انہیں لوگوں کی روش اختیار نہ کرلیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، اسی لیے ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات فرمادی گئی کہ "أَرَأَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ أَنْ تَسْجُدَ لَهٗ فَلَا تَفْعَلُوْا" (تمہارا کیا خیال ہے کہ جب تم میری قبر کے پاس سے گذروگے تو اس کو سجدہ کروگے؟ ایسا نہ کرنا)، اسی طرح قرآن کریم میں بھی بہت صاف الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی سجدہ روا نہیں ہے ﴿لا تَسْجُدُوا .... الخ﴾ (فصلت: ۳۷) (نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، اور سجدہ اللہ کو کرو جس نے ان کو پیدا کیا)۔

لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ قرآن وحدیث کی ان واضح تعلیمات کے بعد بھی آج امت کا خاصا طبقہ اسی برائی کے اندر مبتلا ہے، چنانچہ بعض لوگ اسی غلط تصور کے شکار ہیں کہ محض اہل بیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری محبت کرنا ہی اصل عبادت ہے، خواہ ان کے نقش قدم کی پیروی نہ کی جائے، بعضوں کا حال یہ ہے کہ وہ ان بزرگوں کی قبروں کے ساتھ جنہوں نے زندگی بھر خالص توحید کی تعلیم دی تھی، ایسا ناروا سلوک کر رہے ہیں جس سے ایک سلیم الفطرت انسان کی طبیعت گھن محسوس کرے، بعض کا حال یہ ہے کہ وہ محض اولیائے کرام کے مزاروں پر جا کر ان سے منتیں مانگنا ہی کافی سمجھتے ہیں، یا ان کی وفات کا سال مکمل ہونے پر عبادت سمجھ کر ان کے نام سے خاص دن منانا ہی قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ انسان کو معرفت الٰہی کے حصول کے لیے، روز محشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق بننے کے لیے، دنیا میں بلند معیار پر قائم ہونے کے لیے سب سے پہلے ان خیالات وغلط تصورات کو یکلخت ختم کرنا ہوگا، جن سے شرک کی بو آتی ہو اور وہ تعلیمات قرآنی کے سراسر منافی ہوں، اور یہ عقیدہ رکھنا ہوگا کہ سجدہ کے لائق ذات وہی رب ہے جو تمام جہانوں کو بنانے والا ہے، وہی کارساز حقیقی، مولائے کل ہے، جزا وسزا بھی اسی کے اختیار میں ہے، اگر کسی انسان کا یہ تصور قائم ہو جائے اور وہ اسی کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والا بن جائے تو اس کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی ہی کامیابی ہے، جس کی طرف حدیث شریف میں بھی اشارہ موجود ہے "قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا" (تم اس بات کے قائل ہو جاؤ کہ خدا کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق ہی نہیں ہے، کامیاب ہو جاؤ گے)۔

اسلام
اور جذبۂ رحم دلی

خلیل احمد حسنی ندوی

اسلام نے نرمی، ایثار، محبت، کرم گستری، اعلی اخلاق، حسن سلوک اور خوش اخلاقی پر جتنا زور دیا ہے اتنا زور عقائد اور فرائض کے علاوہ کسی چیز پر نہیں دیا، اس نے اپنے ماننے والوں کو یہ شعور بخشا کہ نرمی اور خوش اخلاقی سے دلوں کو موم کیا جاسکتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے" ان الرفق لا یکون فی شیٔ الا زانه ولا ینزع من شیٔ الا شانه "اسلام نے نرمی، حسن سلوک اور انسانیت کا دائرہ محدود نہیں رکھا، اپنے اور پرائے میں تفریق نہیں برتی، بلکہ غیروں کے ساتھ بھی اس کا یہی برتاؤ رہا، اور اس نے اپنے ماننے والوں کو اسی کا حکم بھی دیا

اگر ہم رسول ﷺ کی سیرت کا بغور مطالعہ کریں، آپ ﷺ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو تلاش کریں اور کفار مکہ کے ساتھ آپ کا برتاو دیکھیں تو ہم کو نظر آجائے گا کہ انسانیت کی کس بلندی پر آپ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے اعلی اخلاق کو سمجھنے کے لیے حضرت عائشہ کا تنہا یہ جملہ کافی ہے جو انہوں نے آپ ﷺ کی شان میں کہا کہ آپ ﷺ کے اخلاق تو قرآنی اخلاق تھے، آپ ﷺ بدسلوکی کا جواب حسن سلوک سے دیا، ایذاء کا جواب محبت سے دیا، بائیکاٹ کا جواب خوش اخلاقی سے ملنے اور اپنائیت کا مظاہرہ کرنے سے دیا، آپ ﷺ کی رحمدلی اور تسامح کا اس سے بڑا مظہر کیا ہوسکتا ہے کہ فتح مکہ کے دن بڑے بڑے سورما جن کا مقصد زندگی اسلام کو نیست و نابود کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہونچانا تھا آپ ﷺ کے سامنے مفتوح کی حیثیت سے حاضر ہیں، رحم کے خواستگار ہیں، معافی کے امیدوار ہیں، لیکن نگاہوں میں وہ مظالم بھی گھوم رہے ہیں جن کو دیکھ کر جانور بھی شرما جائے، آپ ﷺ کے اخلاق اور رحمدلی پر نظر جاتی ہے معافی کی امید جاگ اٹھتی ہے، لیکن جب اپنے گناہوں پر نظر پڑتی ہے تو امید ختم ہوتی نظر آتی ہے، ایسی حالت میں زبان رسالت سے یہ جملہ سنتے ہیں لا تثریب علیکم الیوم آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں تم سب آزاد ہو، اس سے بڑھ کر کیا رحمدلی ہوگی کہ وہ ابوسفیان جو بعد میں صحابی رسول ہوئے جن کی ساری توانائیاں اس وقت تک اسلام کے خلاف صرف ہورہی تھیں، اور جو قریش کے سرخیل تھے، ان کے بارے میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے وہ بھی معافی کا حقدار ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ بھی معافی کا حقدار ہے، تاریخ اس جیسی رحمدلی کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے، یہ وہ موقع تھا جب کہ صحابہ کرام کی تلواریں پیاسی تھیں، ان کو اپنے اوپر ہوئے مظالم یاد آرہے تھے، اور وہ اجازت کے خواستگار تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تسلیم و رضا کے لیے سر جھکے ہوئے تھے، سب نے اپنی گردنیں آپ کے اس فیصلہ پر خم کردیں،، اسی طرح جنگ بدر کے ۷۲ قیدیوں میں سے ۷۰ کو حضور ﷺ نے جرمانہ لے کر آزاد کردیا، ان قیدیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا گیا، بہت سے قیدیوں نے اعتراف کیا کہ مسلمان اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام و راحت کا اہتمام کرتے تھے، حدیبیہ کے میدان میں ۸۰ حملہ آور گرفتار ہوئے، ان کو حضور ﷺ نے بغیر کسی شرط اور بغیر کسی جرمانہ کے آزاد کردیا، جنگ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو آپ ﷺ نے بغیر کسی شرط اور معاوضہ کے آزاد کردیا، کیا تاریخ اس جیسے اخلاق پیش کرسکتی ہے، نہیں یہ ایک نبی کا شیوہ ہے، اور اس نبی نے اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اسی شیوہ کو اپنائیں، اور اسی چراغ سے روشنی حاصل کریں، چنانچہ اس نبی کے ماننے والوں نے اپنے پیارے نبی کے راستہ کو اپنایا، سلطان صلاح الدین ایوبی اس نبی کی تعلیمات کے خوشہ چیں ہیں، ان کو اعلی اسلامی اخلاق کا حامل سمجھا جاتا ہے، کرم گستری، رحمدلی، عدل وانصاف پروری، رعایا کا خیال رکھنا، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا اور ان کے غموں کو اپنے دل پر محسوس کرنا یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان میں نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے تھے، ایک عیسائی مورخ لین لیون بیت المقدس کی فتح کے دن سلطان کی ان نمایاں صفات کی یوں منظر کشی کرتا ہے۔

سلطان کی کرم گستری، عالی ہمتی اور شریفانہ طبیعت کے پرت تو حقیقت میں اس دن کھلے جس دن مسلمانوں کو بیت المقدس کی چابیاں ملیں اور ان کی فوج اور گورنر وہاں فاتحانہ داخل ہوئے، ایک بھی عیسائی ایسا نہ تھا جس کو مسلمانوں کی جانب سے سختی کا سامنا کرنا پڑا ہو، بادشاہ کے پہریدار ملک کی باہر کی سڑکوں پر اور سرحدوں پر پہریداری کرتے تھے، اور باب داود پر ایک امانتدار ٹیکس وصول کرنے والا تعینات تھا، جو ہر فدیہ دینے والے کو باہر جانے کی اجازت دے دیتا تھا، مورخ لین لیون اس کے بعد تحریر کرتے ہیں ،اس انصاف پرور بادشاہ کے بھائی اور اس کے درباریوں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ہزاروں غلاموں کو آزادی کا پروانہ عطا کیا، پھر صلاح الدین ایوبی نے اپنے ماتحت افسر سے کہا، اے میرے بھائی ،تم بھی صدقہ کرو اور تمام درباریوں کو صدقہ کی ترغیب دو، اور میں بھی صدقہ کرنا چاہتا ہوں، پھر انہوں نے ایک فوجی کو حکم دیا کہ وہ تمام راستوں اور گلیوں میں یہ صدا لگا دے کہ وہ تمام عمر دراز اور بچے جو فدیہ دینے کی پوزیشن (position) میں نہیں وہ بھی آزاد ہیں ، جہاں چاہیں جاسکتے ہیں، تو وہ سب وہاں سے نکلنے لگے یہاں تک کہ یہ سلسلہ طوع شمس سے غروب آفتاب تک جاری رہا۔

مسلمان فاتحین کا ہمیشہ یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنے اخلاق سے دل جیتتے تھے، ہندوستان نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے یہاں تک کہ اورنگ زیب عالمگیر جس کو متعصب انگریز مورخوں نے ڈکٹیٹر کے نام سے یاد کیا ہے اور اس پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے کہ اس نے غیر مسلموں کو نہایت ہی بے رحمی سے قتل کیا، ان کی عبادت گاہوں کو مسمار کیا، حالانکہ صورتحال اس کے بالکل برعکس تھی، او راگران کے والد کی بات کی جائے تو وہ عفوودرگزر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، یہ تھا مسلمانوں کا رویہ اپنے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ جب کہ مسلمان اقتدار پر قابض تھے، لیکن مسلمانوں نے اپنے نبی کی پیاری تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، یہ تھی مسلمانوں کی روشن تاریخ، دوسری طرف اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والی اقوام کی تاریخ ملاحظہ کریں تو زمین وآسمان کا فرق معلوم ہوگا، فرانس میں جمہوری انقلاب برپا ہوا اور جب فردا فردا انسانوں کو قتل کرنا وہاں ممکن نہ رہا تو ایسے آلات ایجاد کیے گئے جو بیک وقت بیسیوں انسانوں کے سروں کو ناریلوں کی طرح اڑا دیتے تھے، اس جمہوری انقلاب نے مورخین کے اندازے کے مطابق ۲۶ لاکھ انسانوں کو ان آلات کی بھینٹ چڑھا دیا، اسی طرح روس میں اشترا کی انقلاب نے ایک کروڑ سے زائد انسانوں کو قتل وغارت گری اور برفانی قید خانوں کے حوالے کردیا، ۱۹۱۴ء کی ہولناک جنگ عظیم میں یورپی ممالک نے جرمنی سے اپنے علاقوں کی آزادی کے لیے قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا، اس میں روس کے ۱۷ لاکھ فرانس کے ۱۳ لاکھ ۷۰ ہزار اٹلی کے ۴ لاکھ ۲۰ ہزار آسٹریلیا کے ۸ لاکھ برطانیہ کے ۷ لاکھ ۲۰ ہزار بلغاریہ کے ایک لاکھ رومانیہ کے ایک لاکھ آسٹریا کے ایک لاکھ ترکی کے ۲ لاکھ پانچ ہزار بلجیم کے ایک لاکھ بیس ہزار اور امریکا کے ۵۰ ہزار انسان قتل ہوئے، یہ جنگ چار سال چلی، اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ رحمت للعالمین کا لقب خدا کی جانب سے پانے والے پر تشدد کا الزام ان لوگوں کی جانب سے جن کے ہاتھ معصوموں کے خون سے رنگین ہیں اور جن کی نظروں میں اپنے سپاہیوں کی وقعت بس محض غذائے توپ کی ہے (تحریر ،جنرل ایلٹ ڈی ،اس ،او ،آسٹریلیا) کیا تسلیم کیے جانے کے قابل ہے، یقیناً آپ کا جواب ہوگا کہ نہیں، ہرگز نہیں! یہی آواز ہے ہر انصاف پرور شخص کی، سوائے اس ٹولے کے جس کا مقصد ہی زمین میں فساد برپا کرنا ہے، قرآن اس ٹولے کے بارے میں کہتا ہے یفسدون فی الارض ولا یصلحون اور اس موجودہ دور میں جب کہ حالات نہایت ناگفتہ بہ اور تشویشناک ہیں، تعلیمات نبوی کو یکسر فراموش کردیا گیا ہے، دنیا مغربی دھارے میں بہنے لگی ہے، انسانی اقدار کو بھلا دیا گیا ہے، امن کی جگہ نفرت نے، اخوت کی جگہ عداوت نے ،ایثار کی جگہ خودغرضی نے ،انسانیت کی جگہ حیوانیت نے، عفودرگزر کی جگہ انتقام نے لے لی ہے، آج ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے، آپ ﷺ کے پیغام کو رائج کیا جائے، اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دی جائے، نبوی اخلاق کے حامل افراد میدان عمل میں آئیں، دنیا کے لیے مشعل راہ بنیں، اعلی اخلاق کا نمونہ پیش کریں، معاشرہ کی اصلاح کا کام کریں۔

گوانتاناموبے

Guantanamo Bay

محمد مکی حسنی ندوی

(Guantanamo Bay Detention Camp)
یعنی گوانتاناموبے کا جنگی قید یخانہ جو کہ امریکی درندگی وحیوانیت کی ایک واضح مثال ہے، یہ قید خانہ کیوبا (Cuba) کے گوانتاناموعلاقہ میں واقع ہے، اس قید خانہ کو گٹمو (Gitmo) اور جی بے (G-Bay) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

مغربی میڈیا کے مطابق اس قید خانہ کا قیام 11/جنوری 2002ء میں بش انتظامیہ کی زیرنگرانی امریکی میجر جنرل میچل لہنرٹ (Micheal R. Lehnert) کی سربراہی میں ہوا تھا۔

امریکی دفاعی سکریٹری ڈونلڈ ریمسفلڈ (Donald H. Rumsfeld) نے اپنے وضاحتی بیان میں کہا تھا کہ اس قید خانہ کا قیام ان خطرناک جنگی قیدیوں کے لیے ہے جو نہایت سنگین جرائم میں ملوث ہیں، اور ملک کی سالمیت کے لیے وہ نہایت خطرناک ہیں، اس لیے ان کو قید کرنا اور ان کے سدھار کوشش کرنا ضروری ہے، اسی مقصد کے تحت یہ قید خانہ قائم کیا گیا ہے، لیکن پس پردہ حقیقت مسلمانوں کو مختلف عنوانات کے تحت گرفتار کرکے اس قید خانہ میں لانا، انھیں دردناک ذہنی وجسمانی اذیتیں دینا اور ظلم وزیادتی کے نئے نئے تجربات کرنا تھا، چنانچہ 11/9 کے واقعہ کے بعد امریکہ نے اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کردیا، اور پھر خاص کر افغانستان اور عراق کے مسلمانوں کی گرفتاری اور ان کے خلاف کارروائی کا سلسلہ شروع ہوا، مختلف علاقوں سے بے گناہوں کو گرفتار کیا جاتا اور پھر انھیں اس قید خانہ میں پابند سلاسل کردیا جاتا، جن میں اکثر کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت بھی نہ ہوتا۔

وکی لیکس نے انکشاف کیا ہے کہ گوانتاناموبے میں قید اکثر قیدی وہ ہیں جن کے خلاف امریکہ کے تفتیشی اداروں نے محض شبہ کی بنیاد پر کارروائی کی ہے۔ ان اداروں کے نزدیک یہ بات کسی کو بھی قید کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس شخص نے افغانستان کے سفر کا ایک مخصوص راستہ اختیار کیا ہے یا کسی خاص مشتبہ مسجد میں عبادت کی ہو، یا اس نے مخصوص قسم کی کلائی کی گھڑی یا لباس کا استعمال کیا ہے، اسی طرح وہ بچے بھی امریکہ کے مجرم ہیں جو کھیلتے کودتے بھی اس جگہ پہنچ گئے ہوں جہاں کوئی دھما کہ ہوا ہو۔

برطانیہ کا مشہور اخبار The Guardian نے لکھا ہے کہ متعدد سابق فوجیوں نے کیمپ نما میں قیدیوں پر ٹارچر سیل (Torture Cell) میں انسانیت سوز اور بہیمانہ تشدد کے واقعات بیان کیے ہیں جن کو سن کر پینٹاگان کے اسپیکر نے بھی چیخ مار دی۔ اسلام کو اہانت آمیز الفاظ سے پکار کر، قرآن مجید کو بیت الخلاء میں بہا کر اور جلا کر قیدیوں کو ذہنی تکلیف دینا روزمرہ کا معمول ہے۔

عراقی جنرل منتظر الاسماری کے بقول ایک 14 سالہ قیدی کو کھمبے میں اس طرح باندھا گیا کہ اس کے پیر اس کے سر کے اوپر تھے جس سے خون کا دوران رُک گیا اور پورا جسم تقریباً مفلوج ہوگیا، وہ اس شدید تکلیف کے باوجود ''اللہ اکبر'' کا ورد کرتا رہا۔ بجلی کے جھٹکے، منہ پر کپڑا باندھ کر کوٹھریوں میں کئی کئی دن کے لیے ڈال دینا، گلوکوز جسم میں چڑھا کر بیت الخلاء استعمال نہ کرنے دینا، رات بھر جگائے رکھنا، کتوں کو ان پر چھوڑ دینا، امریکی قومی ترانے پر زبردستی سلامی دلانا، ان کی ہیئت کتوں کی طرح کردینا، داڑھی اور سر کے بال کو منڈانا، برہنا کرنا، عورت کے مخفی لباس پہننے پر مجبور کرنا اور ان پر عورت کا ماہواری خون لگا کر عبادت کے حوالے سے فقرے کسنا وغیرہ جیسے جسمانی اور ذہنی اذیتیں دینے کے طریقے عام ہیں۔

میڈیا میں گوانتاناموبے کی خبریں گردش کرنے کے بعد عوام نے زبردست مظاہرہ کیا اور ان انسانیت سوز کارروائیوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے بھی کیے، انٹرنیشنل ریڈ کراس کے سربراہ پیٹر ماورر (Peter Maurer) نے امریکی صدر کو اپنی رپورٹ دیتے ہوئے اس قید خانہ کے حالات کو درست کرنے کی سفارش بھی کی، چنانچہ 2009ء میں امریکی صدر براک اوباما نے اقتدار میں آتے ہی اس قید خانے کو 120/دنوں کے اندر بند کرنے کا حکم نامہ جاری کیا، لیکن اس حکم پر ابھی تک عمل نہ ہوسکا، جس کی ذمہ دار ایک طرف اوبامہ حکومت ہے تو دوسری طرف وہ مسلم قائدین بھی مجرم ہیں جو مسلمانوں کی قومی وملی مسائل کو حل کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔

فلسطین کے مظلوم مسلمان

محمد نفیس خاں ندوی

نومبر 1947 میں اقوام متحدہ کی قرارداد کے ذریعہ فلسطین کا 55 فیصد حصہ یہودیوں کو دے دیا گیا، اور پھر 14/مئی 1948 کو برطانیہ اور امریکہ کی ساز باز سے تل ابیب کے مقام پر ''یہودیوں کے قدرتی اور تاریخی حق'' کے طور پر ''مملکت اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کردیا گیا، اس کے بعد فوج کشی کے ذریعہ اسرائیل کے حدود 78 فیصد تک بڑھتے چلے گئے، 1967ء میں اقوام متحدہ نے دو قراردادوں کے ذریعہ اسرائیل کو سابقہ حدود میں جانے کا حکم دیا مگر اس پر کوئی عمل نہ ہوا بلکہ نہتے فلسطینیوں کو ہر طرح سے پریشان کرنے کا سلسلہ چل پڑا، ان کے علاقوں میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کی جاتی ہیں، راستہ مسدود کردیے جاتے ہیں، کرفیو لگا کر گھر گھر کی تلاشی لی جاتی ہے، خواتین کی عصمت تارتار کی جاتی ہے، بچوں کو گرفتار کرلیا جاتا ہے، انھیں بے گھر کرکے کیمپوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اور پھر ان کیمپوں کو بھی قبرستان میں تبدیل کردیا جاتا ہے، جس کی ایک مثال ''جنین'' نامی کیمپ ہے۔

یہودیوں نے چونکہ فلسطین پر جبراً قبضہ کیا تھا، اور وہاں کے باشندوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کریں، اس کے نتیجہ میں یہودیوں اور فلسطینیوں کے درمیان جنگ لازمی تھی، چنانچہ اسرائیل نے اپنے آپ کو ہر طرح سے مضبوط کرنے کی تگ ودو کی، اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے یہودی لابی نے کیمیاوی اسلحوں کی فراوانی پر زور دیا، آج اسرائیل ہر طرح کے کیمیاوی ہتھیاروں سے لیس ہے، جبکہ اسی کا بہانہ بنا کر امریکہ نے عراق کو تباہ کردیا تھا۔

ایک طرف اسرائیل خود کو مضبوط کرکے آہن پوش ہوا تو دوسری طرف فلسطین کی تباہی، مسجد اقصیٰ کی مخدوشی، موت کی چیخ وپکار، بچوں کی آہ وبکا، عصمتوں کی تاراجی، لہو کی ارزانی، اور مستقبل کی تاریکی نے فلسطین کی پوری فضا کو جذبۂ انتقام ودفاع سے بوجھل کردیا، مسجد اقصیٰ کی بازیابی نے نوجوانوں کو جوش ایمانی سے لبریز کردیا اور پھر ''حماس'' نامی ایک تحریک وجود میں آئی؛ جو فلسطینیوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بنی، انھوں نے اسرائیلی توپوں کا سامنا غلیلوں سے کیا، اور جب کوئی ہتھیار نہ ملا تو خود سراپا ہتھیار بن گئے۔

آزادی کی خاطر فلسطینی عوام کی تاریخ بہت ہی صبر آزما بھی ہے اور بہت ہی دل خراش بھی، کئی نسلیں اس جد وجہد کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں، بوڑھے آزادی کی لذت سے محروم اور نوجوان اس لفظ کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں۔ موجودہ نسل بھی اپنے مستقبل سے مایوس جنگی زندگی گذارنے پر مجبور ہے، لیکن ان کی ثابت قدمی اور ان کا جذبۂ حریت تاریخ کے نئے ابواب رقم کررہی ہے، اور اپنا سب کچھ قربان کردینے کے باوجود وہ اسرائیل کے خلاف سینہ سپر بنے ہوئے ہیں۔

1948ء سے اب تک اسرائیل-فلسطین تنازع سنگین ہوتا جارہا ہے، اسرائیل نے پورے فلسطین کو اور خاص کر غزہ کے علاقہ کو ایک قید خانہ میں نہ صرف تبدیل کررکھا ہے، بلکہ آئے دن فوجی کارروائی کرتا رہتا ہے، کبھی برقی نظام مفلوج کردیا جاتا ہے، کبھی آبی راستے مسدود کردیے جاتے ہیں، اور کبھی سڑکوں سے آمد ورفت کو غیر قانونی قرار دیدیا جاتا ہے، کھانے پینے کی ضروری اشیاء اور دوا پر بھی پابندی لگادی جاتی ہے۔

آج حماس کی قید میں کوئی بھی اسرائیلی قیدی نہیں ہے جبکہ اسرائیل کی قید میں ہزاروں کی تعداد میں فلسطینی ایڑیاں رگڑ رہے ہیں، جن میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین بھی شامل ہیں، ان قید خانوں میں تشدد کے ایسے ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن سے انسانی روح کانپ اٹھتی ہے۔

قید خانوں میں اذیتوں کے نئے نئے انداز اختیار کیے جاتے ہیں، عورتوں کے ساتھ کسی بھی طرح کا صنفی امتیاز نہیں برتا جاتا، باپردہ مسلم خواتین کو مردوں کے ساتھ ایک ہی بیرک میں رکھا جاتا ہے، عریاں تفتیش کی جاتی ہے، جنسی استحصال کیا جاتا ہے، مردوں کی طرح انھیں بھی سخت جسمانی سزائیں دی جاتی ہیں، جس سے بہت

سی خواتین شہید بھی ہوجاتی ہیں، اس پر مزید ستم یہ کہ اسرائیلی انتظامیہ ان شہید خواتین کی لاشیں بھی ورثاء کے حوالہ نہیں کرتی، بسا اوقات عورتیں خودکشی کی کوششیں بھی کرتی ہیں، لیکن صہیونی درندوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسرائیلی قید خانوں میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں بڑی عمر کے افراد شامل ہیں وہیں سیکڑوں کی تعداد میں 18 سال سے کم عمر کے بچے بھی غیر قانونی طور پر قید ہیں، ایک بڑی تعداد ان بچوں کی بھی ہے جن کی عمریں 13 سال سے بھی کم ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق صہیونی پولیس سالانہ 700 سے زائد فلسطینی بچے گرفتار کرتی ہے ، ان بچوں کو گرفتار کرنے کے بعد جیلوں میں ڈالدیا جاتا ہے، ان کے والدین واقارب کو ملاقات کی بھی اجازت نہیں دی جاتی، پھر ان کے ساتھ جنگی مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے، توہین آمیز اور غیر اخلاقی رویہ اپنی جگہ انھیں وحشیانہ جسمانی تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، ان بچوں کو برہنہ کرکے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جاتے ہیں، کئی کئی رات ودن انھیں سونے نہیں دیا جاتا، زور دکھانے والے بچوں کو تاریک کوٹھری میں پھینک دیا جاتا ہے، اور تشدد کے لیے ایسے حربے بھی استعمال کیے جاتے ہیں جن کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ان بے گناہوں پر اسرائیلی زیادتیاں دراصل حقوق انسانی کا دعویٰ کرنے والے اداروں کی ناکامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سرزمین فلسطین کے مسلمان دنیا کے سب سے مظلوم انسان ہیں جن کی مظلومیت پر نصف صدی کا عرصہ گذر چکا ہے، اس نصف صدی میں لاکھوں فلسطینی اپنے گھروں سے بے گھر کیے جاچکے ہیں، آئے دن اسرائیل ان نہتے فلسطینیوں کے خلاف نہ صرف عمومی فوجی کارروائی کرتا ہے بلکہ اس نے پورے ملک کو دنیا کے سب سے بڑے قید خانہ میں تبدیل کردیا ہے، معصوم بچوں کی بے گور وکفن لاشیں تڑپتی رہتی ہیں اور خاک وخون میں لتھڑے بے گناہوں کو اعضاء سڑتے رہتے ہیں لیکن امت مسلمہ کے ٹھیکیدار میٹنگیں کرنے اور قرارداد منظور کرنے میں مصروف رہتے ہیں، فلسطین کی مظلومیت اور ان کے خلاف جاری یہ وحشت وبربریت پوری امت مسلمہ کے لیے ایک تازیانۂ عبرت ہے۔

باقی: مسلمان اپنی حیثیت کو پہچانیں

باقی یہ جو بیانات آتے ہیں جس سے ہم کو تکلیف پہنچتی ہے ، بیانات دینے والے سمجھدار لوگ نہیں ہیں، وہ بچکانہ باتیں کرتے ہیں، اس لیے کہ یہ ملک مختلف قوموں اور مختلف مذاہب کا ملک ہے، اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ سب مل کر کام کریں، اگر یہ آپس میں لڑیں گے تو سب کا نقصان ہوگا، اکثریت کوئی بنتی ہی نہیں، جس کو اکثریت کہتے ہیں وہ اقلیتوں کا مجموعہ ہے، اس میں بھی اقلیتیں ہیں ، اگر اقلیت اکثریت تعصب کے ساتھ رہیں گی، تو شہر شہر بٹ جائے گا ، ایک شہر کا آدمی دوسرے شہر کے آدمی کو بھی پسند نہیں کرے گا، اور اس کو غیر سمجھے گا اس سے پورے ملک کو نقصان ہوگا، ملک برباد ہوجائے گا، ملک تباہ ہوجائے گا ،ہمیں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو سمجھانے کی ضرورت ہے، کہ جو علاقائی ومذہبی تعصب ہے یہ ملک کے لیے خطرناک ہے، اس سے اکثریت کو بھی فائدہ نہیں ہوگا، بیس کروڑ مسلمان ہیں ، اگر ملک کا اتنا بڑا حصہ بیکار ہے اور اس کی صلاحیتوں سے آپ فائدہ نہ اٹھائیں گے تو ملک کا فائدہ ہے یا نقصان۔

امریکہ میں تو یہ تھا کہ اگر کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ کہتے تھے کہ ہماری اتنی طاقت بڑھ گئی، یہ جب بڑا ہوگا تو ملک کو اس سے فائدہ ہوگا، ملک کا اتنا بڑا طبقہ اگر اس کی صلاحیتوں سے ملک فائدہ نہ اٹھائے تو یہ ملک کے لیے نقصان دہ ہے، سب مل کر چلیں گے تو ملک کو ترقی ہوگی، ملک مضبوط ہوگا، خاص کر ہندوستان کے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ یہ ملک ایک قوم کا نہیں ہے، ایک مذہب کا نہیں ہے، یہاں سب مل کر سارے فرقہ اور سارے مذاہب والے ملک کو اپنا سمجھ کر کام کریں، تو ملک کی ترقی ہوگی، اور ان شا اللہ اس بات کو سب سمجھیں گے، لوگ بڑی بڑی بات کرتے ہیں چھیڑنے کی، وہ بھی بالآخر سمجھیں گے، اس لیے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، وہ کر نہیں سکتے، وہ غیر منطقی بات ہے، اولاد کا پیدا کرنا ہے، اقلیتوں کو محروم کرنا ہے، ان کو خود معلوم ہوجائے گا کہ یہ چیز چلنے والی نہیں، اور اس میں کامیابی نہیں ہوگی، یہ ملک سیکولر ہے، اور سیکولر ہی رہنے میں اس کا فائدہ ہے اور اس کی ترقی ہے۔

از خطابات بنگلور (مؤرخہ: ۱۵/جنوری ۲۰۱۵ء)

بقلم محمد امین حسنی ندوی

رب کعبہ کی قسم!

ابوالعباس خاں

ستر صحابہ کرام کا علمی وروحانی قافلہ پوری تیزی کے ساتھ رواں تھا، اس کی منزل بنوسلیم کی آبادی تھی جو مدینہ منورہ سے خاصی دور نجد کے علاقہ میں آباد تھی، یہ قافلہ روئے زمین پر سب سے مقدس اور بابرکت قافلہ تھا، ہر فرد کے جلو میں ایک جہاں آباد تھا، ہر نفس رموز شریعت کا رازداں، اسرار الٰہی کا رمز شناس، فرمودات نبوی کا امین اور کلام الٰہی کا حافظ وقاری تھا، یہ سب رسول مقبول ﷺ کے خاص پروردہ تھے، صفۂ نبوی کی زینت تھے، اور آج دعوت اسلام کے لیے رسول محبوب ﷺ سے دور ایک ایسے علاقہ کی طرف رواں ہیں جو اسلام کے بدخواہوں کا ہے، لیکن اسلام کی دعوت انھیں بھی دینی ہے، رسول کا حکم ہر چاہت سے بڑھ کر ہے۔

بنوسلیم کا سردار عامر بن طفیل نہایت متکبر انسان تھا، طاقت و دولت کے نشہ میں چور، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری تین تجویزیں ہیں؛ آپ ان میں سے کوئی بھی ایک کو قبول کرلو، پہلی یہ کہ حکومت میں بٹوارہ کرلو، دیہات کا علاقہ آپ کا ہو اور شہری علاقہ میرا ہو، دوسری یہ کہ آپ مجھے اپنا جانشیں نامزد کردو، اور تیسرے یہ کہ میں ہزاروں کے لشکر کے ساتھ آپ پر حملہ کردوں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور وہ نامراد ہوکر اپنے علاقہ کو واپس لوٹ آیا، کچھ دنوں بعد اس کا چچا حاضر ہوا، چکنی چپڑی باتیں کیں، قسموں پر قسمیں کھائیں، دہائیاں دیں اور یقین دلایا کہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اس کا قبیلہ اور آس پاس کے سبھی قبیلے مسلمان ہوجائیں گے، نبی رحمت ﷺ نے اس کی درخواست قبول کرلی، اور دعوت وتبلیغ کے لیے اصحاب صفہ میں سے ستر حفاظ کا انتخاب کرکے روانہ کیا۔

مبارک قافلہ نے منزل سے کچھ پہلے **بئر معونہ** میں پڑاؤ ڈالا، رسول اللہ ﷺ کی حسب ہدایت حرام بن ملحان ؓ نے دو ساتھیوں کو لیا، عامر بن طفیل کی آبادی میں پہنچیں، ساتھیوں کو دور روکا اور خود اس سے جاکر ملے، نبی کریم ﷺ کا خط اس کے حوالہ کیا اور جواب کے منتظر ہوگئے، عامر نے خط لیا، چاروں طرف نظریں دوڑائیں، ابن ملحان کی طاقت کا اندازہ کیا، ان کے تنہا ہونے کا یقین کیا اور پھر شاطرانہ نظروں سے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، جبار بن سلمٰی پیچھے ہی کھڑا تھا، اشارہ ملتے ہی اس نے حملہ کردیا، نیزہ چھاتی کو چیرتا ہوا اُس پار جا نکلا، خون کا فوارہ چھوٹ گیا، ابن ملحان زخمی ہوئے، اچانک حملے نے سنبھلنے کا موقع بھی نہ دیا، ان کا وجود خون میں لت پت ہوگیا، لیکن ...... اس مرد مجاہد نے نہ چیخ ماری، نہ گالیاں بکیں، نہ ساتھیوں کو آواز دی، نہ عامر کا برا بھلا کہا، بلکہ اس بسمل نے پورے درد وسوز اور یقین کی قوت کے ساتھ نعرہ لگایا: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! (رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا)

عامر ابن طفیل نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کیا، اور بئر معونہ پر چڑھائی کردی، صحابہ کرام کو چاروں طرف سے گھیر لیا، تلواروں، نیزوں اور تیروں کی ان پر بوچھار کردی، تعداد کی کثرت اور اچانک حملے نے انھیں جمنے کا موقع بھی نہ دیا، اور پھر نتیجہ وہی ہو جس کی توقع کی جاسکتی تھی، ایک ایک کرکے سب نے جام شہادت نوش کیا، اور تاریخ اسلام کا ایک اہم باب ان کے خون ناحق سے رقم ہوگیا۔

خون کے فواروں سے پوری سرزمین رنگین ہوگئی، لاشیں ٹھنڈی پڑ گئیں، چیل و گدھ بھی منڈلانے لگے، عامر بن طفیل کی آنکھیں چمک اٹھیں، بنوسلیم میں چراغاں کیا گیا، خوشی کے گیت گائے گئے، پورا قبیلہ مگن ہوگیا، لیکن جبار بن سلمٰی کے دل میں ایک پھانس سی چبھی ہوئی تھی، ابن ملحان کی شہادت کا منظر اس کے دماغ کی سلوٹوں پر جم چکا تھا، اس کے کانوں میں وہی آواز گونجتی رہی تھی: ’’رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا‘‘ آخر اس نے کس کامیابی کی بات کی تھی؟ کیا ہے یہ کامیابی؟ اور کتنا یقین تھا اس کے اس جملہ میں! کتنی شدت تھی اس کے لہجہ میں! اور کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر! لیکن جیت تو ہماری ہوئی، ہم نے سب کو موت گھاٹ اتاردیا، پھر اس نے ایسا کیوں کہا؟

اس سوال کے جواب میں جبار ابن سلمٰی مدینہ جا پہنچے اور نبی کریم ﷺ سے پورا واقعہ بیان کردیا، آپ ﷺ نے اسے اسلام کی حقیقت، جہاد کی فضیلت اور شہادت کا مقام ومرتبہ سمجھایا، جبار بن سلمٰی نے اسلام کو اچھی طرح سمجھا، اس کامیابی کو بھی سمجھا، اور پھر اسلام قبول کرکے خود بھی ہمیشہ کے لیے کامیاب وکامران ہوگئے۔

دعا کے آداب

دعا کے آداب: ☆ قبولیت دعا کے لیے کھانے پینے اور کمائی وغیرہ میں حرام مال سے احتیاط برتنا ☆ دکھاوے، ریاکاری سے بچ کر پورے اخلاص اور اس یقین کے ساتھ دعا مانگنا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کام کو پورا کرنے والا ہے ☆ پاک صاف اور باوضو ہوکر دعا مانگنا ☆ دعا کے لیے اس طرح بیٹھنا جیسا کہ نماز کی حالت میں قعدہ کے لیے دو زانو ہوکر بیٹھا جاتا ہے ☆ قبلہ کی طرف رخ کرنا ☆ دعا کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی خوب حمد وثنا کرنا ☆ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں درود شریف بھیجنا ☆ اپنے ہاتھوں کو اٹھانا اور کھلا رکھنا ☆ دعا کے وقت عاجزی وتواضع کے ساتھ بیٹھنا ☆ دعا میں اپنی اس عاجزی اور بے بسی کا ذکر کرنا ☆ دعا کرتے وقت دعا کرنے والے کی آنکھ کا آسمان کی طرف نہ اٹھنا ☆ اللہ تعالیٰ کے دیگر اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرکر کے دعا مانگنا ☆ دعا میں بتکلف قافیہ بندی سے احتیاط کرنا ☆ آہستہ اور نیچی آواز سے دعا کرنا ☆ ان کلمات کے ساتھ دعا مانگنا جو حضور خیر البشر ﷺ سے منقول ہیں ☆ دعا میں ترتیب کا خیال رکھنا یعنی پہلے اپنے لیے، والدین کے لیے، اہل و عیال، اعزاء واقرباء اور متعلقین ومحسنین کے لیے، اور پھر تمام مسلمانوں کے لیے دعا مانگنا ☆ دعا میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگنا ☆ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورے یقین اور شوق وجذبہ کے ساتھ دعا مانگنا کہ اللہ تعالیٰ ہی قبول کرنے والا ہے ☆ قطع رحمی کی دعا نہ کرنا ☆ دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرنا ☆ دعا کرنے والے کا اپنی دعا کے اختتام پر آمین کہنا ☆ اپنی دعا کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور درود شریف پر ختم کرنا ☆ دعا کے ختم ہونے پر دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لینا۔

قبولیتِ دعا کے مستحب اوقات

☆ ہر رات کے ابتدائی، آخری اور آدھے حصہ میں اور سحر کے وقت ☆ اذان اور اقامت کے درمیان ☆ نماز والی اذان کے وقت ☆ سجدہ کی حالت میں (فرض نمازوں میں یہ درست نہیں) ☆ نمازوں کے بعد ☆ جہاد کے لیے جب صف باندھ لیں ☆ عین لڑائی کے وقت ☆ جمعہ کے دن ☆ عرفہ کے دن ☆ صبح میں مرغ کے آواز کرتے وقت ☆ جو شخص نزع کی حالت میں ہو اس کے پاس آتے وقت ☆ بارش کے وقت ☆ تلاوت قرآن کے بعد ☆ ختم قرآن مجید کے بعد ☆ رمضان کریم کا پورا مہینہ ☆ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی دونوں راتیں ☆ جمعہ کی رات ☆ بیت اللہ شریف پر نظر پڑھتے وقت ☆ آب زمزم پیتے وقت ☆ طواف اور ملتزم کے پاس اور مقام ابراہیم، عرفات اور مزدلفہ، منیٰ وغیرہ میں جاتے وقت بھی دعائیں مانگنا مستحب ہے۔

جن کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں:

☆ مصیبت میں مبتلا انسان کی دعا ☆ مظلوم کی دعا اگرچہ وہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو ☆ مظلوم اگر کافر ہے تو اس کی دعا بھی رد نہیں کی جاتی ☆ مسافر کی دعا ☆ والدین کی دعا اپنی اولاد کے حق میں ☆ ایک مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا ☆ حاجیوں کی دعا، جب تک وہ اپنے وطن کو واپس نہ آجائیں ☆ نیک وفرمانبردار اولاد کی دعا ☆ روزہ دار کی دعا ☆ افطار کے وقت روزہ کی حالت سے دعا کرنا۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 MARCH 2015 Issue: 04

DECLARATION OF OWNERSHIP AND OTHER DETAILS

FORM 4 RULE 8

Name of Paper:	Payam-e-Arafat
Place of Publication:	Raebareli
Periodicity of Publication:	Monthly
Chief Editor:	Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
Nationality:	Indian
Address:	Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001
Printer/Publisher:	Mohammad Hasan Nadwi
Nationality:	Indian
Address:	Maidanpur, Post. Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) India
Ownership:	Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi

I, Mohammad Hasan Nadwi, printer/publisher declare that
the above information is correct to the best of my knowledge and belief.

(March 2015)

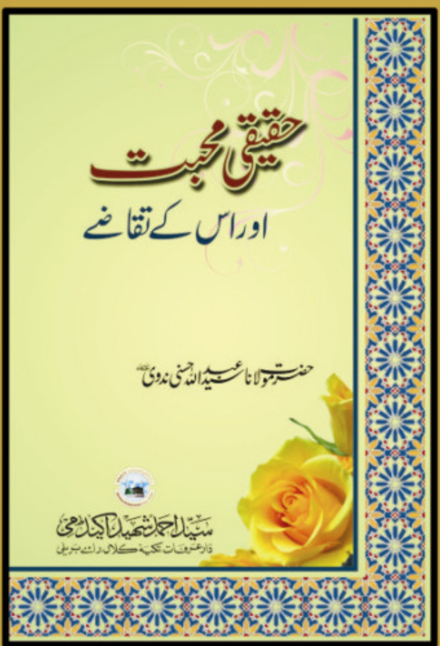

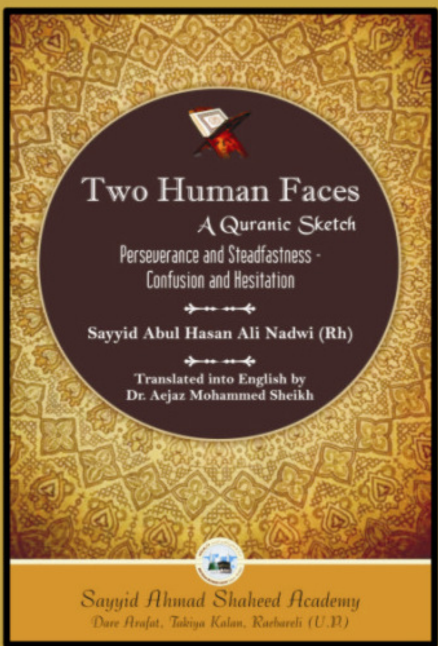

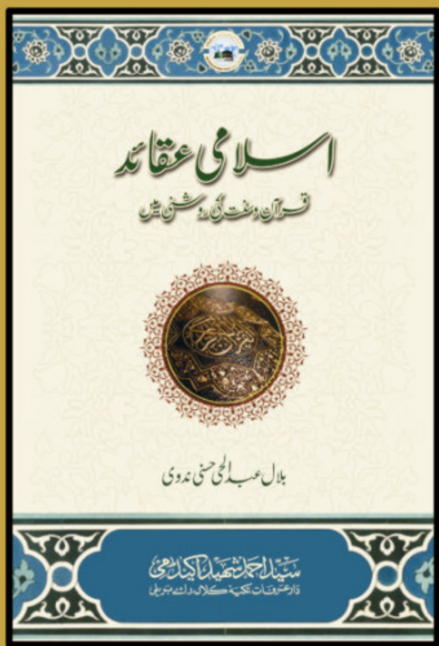

Contact: 9919331295

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)